مال کی حقیقت اور اسلام کا مالیاتی تصور

مولانا مفتی رفیق احمد بالاکوٹی جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

ذیلی عنوانات:

1 ..... مال کی لغوی حقیقت

2 ..... مال کی اصطلاحی حقیقت

3 ..... مال کی عرفی حقیقت

4 ..... اسلام کا تصور مال

5 ..... تصور مال کا مفید و مثبت پہلو

6 ..... تصور مال کا منفی و مضر پہلو

7 ..... اسلام کے مالیاتی نظام کی وسعت و جامعیت

8 ..... مادی اور حسی اشیاء کی حیثیت

9 ..... حقوق ایجاد، حقوق تالیف و طبع، رجسٹرڈ ٹریڈ مارک، کمپنیوں کے نام، اجازت نامہ اور تجارتی لائسنس

اسلام میں جس طرح عبادات و فرائض پر زور دیا گیا ہے، اسی طرح دین اسلام نے کسب حلال اور طلب معاش کو بھی اہمیت دی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سورۃ المزمل میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے "و آخرون یضربون فی الأرض یبتغون من فضل اللہ و آخرون یقاتلون فی سبیل اللہ (الایۃ) کو ایک ساتھ ذکر فرمایا۔ جو دونوں کے ثواب میں برابر ہونے کی نشاندہی کرتا ہے اور کسب مال حلال کو اس عظیم عمل (جہاد) کے ساتھ مترادف قرار دیتا ہے۔

قدیم زمانہ میں لفظ مال کا اطلاق صرف مادی اشیاء پر ہوتا تھا۔ دور جدید میں مال کی مختلف شکلیں نمودار ہوئیں۔ جس کو قدیم فقہ کی اصطلاح میں منافع یا حقوق، کہا جاتا ہے ضرورت اس بات کی محسوس کی جارہی تھی کہ کیا ان اشیاء کو بھی مال کی حقیقت اور تعریف میں شامل کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ پیش نظر مقالے میں اس مسئلے پر تحقیقی روشنی ڈالی گئی ہے۔ یہ مقالہ حال ہی میں المرکز الاسلامی کے زیر اہتمام "اسلام کا مالیاتی نظام" کے موضوع پر منعقدہ، اسلام آباد فقہی سیمینار میں پیش کیا گیا۔ افادہ عام کیلئے نذر قارئین ہے (ادارہ)

الحمد لله انزل القرآن وجعله تبياناً لكل شيء والصلوٰة والسلام علىٰ عبده الرسول الكريم وعلىٰ اله وصحبه واتباعه اجمعين ٥

اما بعد

فاعوذبالله من الشيطن الرجيم

بسم الله الرحمن الرحيم

قال الله تعالى : وامددنا كم بأموال وبنين وجعلنا كم اكثر نفيراً (الا سراء . آيت ٦)

وقال سبحانه تعالىٰ : انما اموالكم و اولادكم فتنة والله عنده اجر عظيم (التغابن . ١٥)

وقال ايضاً :واتوهم من مال الله الذى اتاكم (النور ٣٣)

وقال فى مقام اخر: ولقد مكنٰكم فى الأرض وجعلنا لكم فيها معايش قليلاً ما تشكرون. (الأعراف : ١٠)

وقال الرسول صلى الله عليه وسلم: نعم المال الصالح لرجل صالح. (احياء علوم الدين للغزالىؒ (٢/ ٦١)

وقال ايضاً : نعم العون علىٰ تقوىٰ الله المال (كنز العمال ، حديث جابر ٥٠/٢ ، حديث ١٥ .٣)

وقال ايضاً : فمن أخذه بحقه ووضعه فى حقه فنعم المعونة هو (مسلم كتاب الزكوة)

اسلامی معاملات مال کے مال سے تبادلہ سے تعبیر ہیں مال کی حقیقت کیا ہے؟ اور اسلام کا مالیاتی تصور کیا ہے۔ یہی پہلو میری گزارشات کا عنوان ہے۔ کسی بھی چیز کی حقیقت یا حیثیت معلوم کرنے کے چار ذرائع ہیں:۔

۱۔)وحی الٰہی یعنی قرآن وسنت، یعنی قرآن وسنت کسی چیز کا تعارف، حقیقت اور حیثیت پیش کردے۔

۲۔)شارحین قرآن وسنت کی تشریحات، تعبیرات اور اصطلاحات سے کسی چیز کی تعریف، تحقیق اور تعیین ہوجائے۔

۳۔)تعامل الناس اور عرف وعادات کسی شئے کی تعارفی جہت کو واضح کردے۔

۴۔)لغت، کی مدد سے کسی چیز کی حقیقت تک رسائی حاصل کی جائے۔ چنانچہ "مال" کی حقیقت کو سمجھنے کیلئے بھی ان چار وسائل کو بروئے کار لایا جاسکتا ہے۔ قرآن وسنت اور ان دونوں کی تشریحات کا آپس میں لازم وملزوم کا تعلق ہے اس لیے دونوں کو ایک ہی شمار کرتے ہوئے انہیں شرعی حقیقت یا فقہی اصطلاحی حقیقت سے تعبیر کرسکتے ہیں۔ اس لئے آئندہ گزارشات میں مال کی حقیقت کا تعین بالترتیب لغت، شریعت اور عرف کے ذریعہ کیا جائے گا۔ اس کے بعد اسلام کے مالیاتی تصور کی ایک جھلک اور اس کے استحکام کے ثمرات کی ایک نظیر پر یہ ناقص وناتمام، بکھری ہوئی ادھوری گزارشات تمام ہوں گی۔ ان شاءاللہ العزیز۔

مال کی لغوی حقیقت:

"مال" کی لغوی حقیقت کا اطلاق "مال" کے لغوی معنی اور مصداق پر ہوتا ہے۔ مال کے لغوی معنی کا مدار اس کے مادۂ اشتقاق پر ہے۔ لغت کی مختلف کتابوں سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ "مال" کا مادۂ اشتقاق م۔و۔ل ہے "مول" جس کا معنی "ذخیرہ کی جانے والی چیز" کے ہیں جبکہ بعض علماء کرام نے مال کا مادۂ اشتقاق م۔ی۔ل (میل) بتایا ہے جس کا معنی "میلان" ہے یعنی مال کا اطلاق اس چیز پر ہوگا جس کی طرف طبیعت میلان کرے۔ اگر اول معنی لیا جائے تو مال کا مصداق کافی حد تک محدود ہو جاتا ہے اگر دوسرا معنی لیا جائے تو "مال" کے مفہوم میں کافی وسعت پیدا ہو جاتی ہے۔ مگر اہل لغت نے بالعموم "مال" کا مادۂ اشتقاق م۔و۔ل (مول) ہی ذکر فرمایا ہے۔ البتہ اس کے مصداق واطلاق کی تعیین وتعبیر میں مرحلہ وار مختلف اشیاء کو شامل فرمایا ہے مثلاً پہلے پہل "مال" کا مصداق زمین کو قرار دیا پھر اس کے ساتھ زمینی اجزاء کو بھی شامل بتایا گیا یعنی سونا چاندی اور زمین کی پیداوار پر "مال" کا ثانوی اطلاق ہونے لگا۔ اگلے مرحلے میں زمین پر چلنے پھیرنے والے جانور تیسری نوعیت کے "مال" قرار پائے۔ پھر آگے چل کر سونے چاندی اور نقدی پر عمومی اطلاق ہونے لگا۔ مال کے مصداق کی تعیین کے مختلف مراحل کے بعد "مال" کی تعریف یوں کی جانے لگی:

المال ما ملكته من كل شيء .... ج اموال .... (ابن الاثير)

المال في الأصل ما يملك من الذهب والفضة، ثم اطلق على كل مايقتنى ويملك من الأعيان، واكثر مايطلق المال عندالعرب على الابل لا نهاكانت اكثر اموالهم، ومال اهل البادية النعم (تاج العروس، فصل الميم باب اللام ۸/ ۱۲۱ و مختار الصحاح)

وفي التعريفات

المال في اللغة إسم للقليل والكثير من المقتنيات وفي المعجم الا قتصاد الاسلامي: والمال اسم لكل أرض غرست نخلاً او شجراً: بلغة اهل عمان ..... وقيل: اول معنى المال عندالعرب كان الأرض، لأنها اول شيء يملكه الانسان لو لا دته فيها، ولانها تحرث وتزرع ويحصد ماينمو عليها، فهي اول المقتنيات واطلقت كلمة المال على قطع كثيرة من الأرض، ثم انتقل معنى المال الى ماينبت على الأرض من الطعام من اى ضرب كانوورد المال بمعنى الحيوان الذى يرعى ما ينبت على الأرض و كان مال العرب الخيل والابل والغنم و البقر، ثم انتقل الى معنى العبد والأمة لانهما يقتنيان فيباعان و يشتريان ثم انتقل المال الى كل شيء يقتنى أرضاً كان او نباتاً او حيواناً او اى شي ء يقتنى، فالمال هو ماملكته من شيء. والمال الان

يطلق على النقد من الذهب والفضة والورق ، المعجم الا قتصادی الاسلامی للد کتور احمد الشر باصی

، حرف الميم (صفحة ۹ . ۴۴۸)

ولسان العرب لابن منظور (٦٣٦). مادة مول ، القاموس الوحيد لوحيدالزمان القاسمی (۱۰۹۲)

المعجم الوسیط (۸۹۴)الصراح من الصحاح لابی الفضل محمد عمر خالد (حمال القرشی) (۴۵)

نهاية اللغة لابن اثير ماده "مول" القاموس المحيط لفيروزآبای ۵۲۴ ط مصر)

معاصر اہل لغت نے تو "مال" کے لغوی مفہوم میں مزید وسعت پیدا کردی ہے اس کے بقول ہر مادی اور معنوی (حسی ہو یا غیر حسی) چیز جو قیمتی ہونے کی بناء پر ملکیت بن سکتی ہو یا ملکیت کہلاتی ہو وہ مال کے مفہوم میں داخل ہے ان کے ہاں ہر قسم کے اموال و اعیان اور حقوق (عرفی یا قانونی) "مال" ہیں گویا کہ وہ تمام اعیان اور حقوق جن کی نسبت کسی فرد کی طرف بطور ملک کے ہو وہ "مال" کے حکم میں ہے مثلاً استثمار، حقوق ارتفاق، اسم تجاری (ٹریڈ مارک) حق تالیف یا حق ایجاد وغیرہ یعنی ہر وہ چیز جسے لوگ اپنے لئے خاص رکھنا چاہیں۔

المال : عناصر فی الذمة قابلة لتمثيل قيمة اقتصادية سواء حسية او معنوية وتكون ، الأشياء اموالاً عند مايكون لها قيمة قابلة للتملك و الأموال جميع الحقوق التى تقوم على شيء يمكن ان تكون له قيمة مادية مثلاً الاستثمار، الارتفاق ، الا سم التجارى ، حقوق التأليف ، شهادات الاختراع .... وكل ما يحوزة الناس من ملك ورأس المال و نتاج وشراء .... (القاموس القانونى الثلاثى (٢٨٧.٨) ط: بيروت (المواد ٥١٦ الى ٥٣٥) من القانون المدني الفرنسي.

مال کی اصطلاحی حقیقت:

"مال" کی اصطلاحی حقیقت یا فقہی مفہوم کیا ہے؟ اس سلسلے میں فقہاء کرام کی آراء مختلف ہیں۔ ائمہ ثلاثہ (امام مالک، امام شافعی اور احمد بن حنبل رحمہم اللہ) کی رائے گرامی کے مطابق لفظ "مال" ہر قسم کے اعیان اور حقوق کو شامل ہے ان کے جملہ منافع "مال" میں داخل ہیں ۔وذهب الشافعية والمالكية والحنا بلة الى ان المنافع اموال .. الخ فقه الزكاة (١/١٢٥) وقال جمهور الفقهاء غير الحنفية انها تعتبر مالاً لامكان حيازتها بحياز اصلها ومصدرها ولا نها هى المقصود من الاعيان ... الخ (الفقه الاسلامى وادلته ۴/ ۴۲.۳)

فقہاء حنفیہ کے اصولی مذہب کے مطابق "مال" کا اطلاق صرف ان "اعیان" پر ہوتا ہے جو مادی اور حسی ہوں کوئی بھی غیر محسوس غیر مادی چیز ہو اسے "مال" نہیں کہا جا سکتا، اس پر "مال" کے احکام جاری نہیں ہوتے فقہاء حنفیہ رحمہم اللہ کی اس تحدید سے جملہ حقوق ارتفاق، مال

کی حقیقت سے جدا ہو جائیں گے۔ پھر "اعیان" کو "مال" تسلیم کرنے کیلئے بھی دو شرطیں رکھی ہیں کہ وہ "اعیان" "مال" کہلائیں گے جن کی طرف طبائع سلیمہ کی رغبت ہو اور انہیں ضرورت کے وقت کیلئے ذخیرہ کیا جا سکتا ہو۔

المال اسم لغير الآ دمي خلق لمصالح الآدمي وامكن احرازه والتصرف فيه على وجه الاختيار (الثانية) وما من شانه ان ترغب اليه النفس وهو المال (الشاميه) ۵.۶/۴ والبحر ۲۵۷/۵

وفي الشامية: المراد بالمال ما يميل اليه الطبع و يمكن ادخاره لوقت الحاجة والمالية تثبت بتمول الناس كافة او بعضهم الشاميه (۴/۱ .۵)

والبحر عن الكشف الكبير ۲۵۶/۵ يستز اد عليه: او بتقويم البعض بدل بعضهم المال اسم لماهو غير نا مخلوق لمصالحنا، الكفاية على الهداية مع الفتح (۸/ ۲۸۱) والمراد بالمال عين يجرى فيه التنافس والابتذال .... الخ الدر المنتقى بها مش مجمع الأنهر (۳/۵) كشاف مصطلحات الفنون ۲/ ۱۳۵۱ حرف الميم

یہ دونوں شرطیں جن کا ذکر اوپر ہوا در حقیقت مال کے لغوی معنی اور مادۂ اشتقاق کے اختلاف سے مستفاد ہیں، پہلی شرط سے "مال" کے مصداق میں کافی تعمیم ہو جاتی ہے اور دوسری شرط سے "مال" کا مفہوم بہت محدود ہو جاتا ہے۔ اس شرط سے بہت سارے وہ اموال بھی خارج ہو جائیں گے جن کی مالیت مسلّم ہے مثلاً سبزیاں وغیرہ (جس کا مطلب یہ ہوا کہ احناف کی تعریف پر کلام ہو سکتا ہے)

بہر حال احناف اصولی طور پر چونکہ صرف "اعیان" (مادی و حسی چیزوں) کو "مال" مانتے ہیں اس لئے اشیاء کے تبادلے میں "بدلین" کا مال ہونا لازمی ہوگا۔ اگر ایک جانب "عین" ہو اور دوسری جانب کوئی حق ہو یا منافع وغیرہ یعنی غیر مادی و غیر محسوس شئے ہو تو ایسا معاملہ اصول مذہب کے لحاظ سے صحیح قرار نہیں پائے گا۔ بلکہ امام شاہ ولی اللہ محدث دھلوی رحمہ اللہ نے تو یہاں تک فرمایا ہے کہ "بدلین" میں ایسا مال ہونا چاہیے جس سے نفع اٹھایا جا سکتا ہو اس میں رغبت رکھی جاتی ہو، ایک طرح بخل کا باعث بھی ہو۔ مزید یہ کہ وہ عام مباحات کے قبیل سے بھی نہ ہو اور نہ ہی ایسا ہو جو کسی خاطر خواہ فائدہ سے خالی ہو۔ قولہ: واعلم انه يجب في كل مبادلة من اشياء عاقدين وعوضين والشيء الذى يكون مظنة ظاهرة لرضا العاقدين بالمبادلة وشيء يكون قاطعاً لمنا زعتهما موجباً للعقد عليها، ويشترط في العاقدين كونهما حرين عاقلين، ...... وفي العوضين: كونهما مالا ينتفع به و يرغب فيه ويشح به غير مباح. ومالا فائدة معتداً بها فيه ..... الخ حجة الله البالغة (۵/۲ . ۱۰۴) مطبع رشيديه دهلى)

لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ زمانہ کے ساتھ ساتھ لوگوں کے حالات حاجات وضروریات اور عرف وعادات بھی تبدیل ہوتی رہتی ہیں۔ یہ کافی مشکل تھا کہ مال اپنے مذکورہ مفہوم تک محدود رہے اور عرف وعادات کی تبدیلیوں کو نظر انداز کر دیا جائے کیونکہ یہ قانون فطرت کے

خلاف ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علماء لغت نے بھی مختلف عادات واطوار اور زمانہ وادوار کی رعایت کرتے ہوئے "مال" کا معنی ومصداق بیان کیا ہے یعنی جس ماحول میں ایک چیز کو "مرغوب" جانا جاتا ہو اسی "مرغوب" چیز کو اس معاشرے میں "مال" کا اولین مصداق قرار دیا گیا۔ مثلاً ایک دور میں عربوں کا پسندیدہ مال مویشی (اونٹ، گھوڑے اور بکریاں وغیرہ) ہوا کرتے تھے اس لئے ان کے ہاں مال کا اولین تصور یہی سمجھا جاتا تھا، اور دیہی علاقوں میں اب بھی مال کا تصور "مویشی" ہے۔ غرضیکہ کسی چیز پر مال کا اطلاق کرنے کیلئے علاقوں اور پیشوں کی رعایت کی جاتی ہے۔ ورنہ حرج ومشقت اور دشواریاں پیدا ہوں گی۔ چنانچہ رعایت وضرورت کے اسی معیار کے پیش نظر ہمارے فقہاء کرام (رحمہم اللہ) نے مال کے بارے میں "فقہ حنفی" کے بنیادی تصور پر مستزاد کچھ منافع اور حقوق (غیر اعیان) کو بھی "مال" کے حکم میں قرار دیا ہے اور دفع حرج، تعامل الناس اور حاجتہ الناس کی بناء پر ان حقوق ومنافع کی مالیت کو تسلیم کرتے ہوئے انہیں معاملات میں "بدل وعوض" قرار دیا ہے مثلاً حق شرب، حق تعلی حق مرور، حق مسیل اور تنازل عن الوظائف بالمال وغیرہ علامہ کاسانی رحمۃ اللہ علیہ نے بالکل ہی واضح انداز میں مطلقاً لکھا ہے کہ مال کبھی "عین" ہوتا ہے اور کبھی منفعت، (اور یہ منافع یا تو مال ہیں یا مال کے ساتھ ملحق ہیں) (والمال قد يكون عيناً وقد يكون منفعةبدائع الصنائع ٧/٣٨٥). وقال ايضاً في باب الوصية : منها ان يكون مالاً ..... سواء كان المال عيناً او منفعة عندالعلماء كافةً. (بدائع/٧ ٣٥٢)

وفيه ايضاً : لان هذه المنافع اموال او التحقت بالاموال بدائع والبحر الرائق ٣/ ١٥٦)

اس سے ثابت ہوا کہ فقہاء احناف نے "مال" کی جو تعریف فرمائی ہے وہ ان کے زمانے کے عرف وعادت کے مطابق تھی گویا یہ ایسی تعریف ہے جس میں تعامل وضرورت کی بناء پر تبدیلی توسیع وزیادتی ممکن ہے۔ چنانچہ خاتمۃ المحققین علامہ شامی رحمہ اللہ نے مال کی تعریف ذکر کرتے ہوئے قابل رغبت اور قوت ادخار ہونے کے علاوہ مزید یہ کہا ہے کہ مالیت کل یا بعض لوگوں کے کسی چیز کو مال بنانے سے ثابت ہوتی ہے اور اس کا متقوم (قیمتی ہونا) "تمول" اور شرعی اباحت پر منحصر ہے۔ (قوله: والمراد ما يميل اليه الطبع ويمكن ادخاره لوقت الحاجة، والماليةُ تثبت بتمول الناس كافةً او بعضهم والتقوم يثبت بهاوباباحة الانتفاع به شرعاً ، فما يباح بلاتمول لايكون مالاً كحبة حنطة، وما يتمول بلا اباحة انتفاع لايكون متقوماً كالخمر ، واذاعدم الأمران لم يثبت واحد منهاكالدم، (الشامية ٤/ ٥٠١ كتاب البيوع مطلب في تعريف المال والملك المتقوم)

گویا کہ "مال" کی مالیت کے ثبوت کیلئے کل یا بعض لوگوں کی رائے وعادت کو دخل ہے۔ اگر عالمی سطح پر ملکی سطح پر کسی چیز کو مال سمجھا جانے لگے اور اس میں کوئی شرعی محظور بھی نہ ہو وہ شرعاً مباح بھی ہو تو اس چیز کی "مالیت" قابل تسلیم ہونی چاہیے۔ اس چیز کو مال قرار دے کر مال

سے تبادلہ ہو سکے گا۔ اور جو چیز ایسی نہ ہو وہ "مال" نہیں ہے۔

غرضیکہ "مال" کی لغوی اور اصطلاحی حقیقت کے تعین میں ادوار کے اختلاف اور لوگوں کے عرف اور ان کی عادات کو بھی کافی حد تک دخل ہے اس لیے "مال" کی حقیقت کو "عرف" کے تناظر میں آگے بڑھائیں گے۔

مال کی عرفی حقیقت:

جب کسی چیز کی حقیقت کے بارے میں شریعت میں کوئی واضح نص نہ ہو اور نہ ہی کوئی طے شدہ ضابطہ ہو تو اس چیز کی حقیقت تک رسائی کیلئے "عرف" کی طرف رجوع کیا جاتا ہے اور "عرف" کو شریعت نے معتبر جانا ہے۔ اس لئے بہت سارے شرعی احکام کا عرف پر مدار ہوتا ہے۔ فقہاء کرام نے تو یہاں تک بھی لکھا ہے کہ عرف عام نص کیلئے مخصص بھی بن سکتا ہے حتّٰی کہ اگر عرف کا کسی قیاسی دلیل سے تعارض آجائے تو عرف لائق اعتبار ہوگا اسی بناء پر بہت سارے مسائل جو قیاساً درست نہیں قرار پائے تھے مگر "عرف عام" کی رعایت کرتے ہوئے ان مسائل کو خلاف قیاس درست مانا گیا، مثلاً: فقہاء احناف کے ہاں "مال" کی تعریف میں "اعیان" کی شرط سے ہر قسم کے حقوق غیر مال قرار پائے تھے اس لئے حقوق پر بدل یا معاوضہ کا اطلاق نہیں ہو سکتا تھا جب کہ عادت وعرف کی بناء پر بہت سارے حقوق کو معاملات میں عوض اور بدل کے طور پر استعمال کیا جانے لگا تو فقہاء کرام نے "عرف عام" کی رعایت کرتے ہوئے حقوق کو بحثیت بدل تسلیم کرلیا اور ان کے عوض کو جائز قرار دیا (وفی المبسوط للسرخی: وبعض المتأخرين من مشايخنا. رحمهم الله. افتى ببيع الشرب وان لم يكن ارض للعادة الظاهرة فيه في بعض البلدان وهذه عادة معروفة بنسف، قالوا: انما جوز الا ستصناع للتعامل، وان كان القياس يا باه، فكذالک بيع الشرب بدون الأرض .... الخ مبسوط السرخی (۲۳/ ۱۷۱)

لہذا عرف کی رو سے حق تعلّی، حق شرب، حق مسیل تنازل عن الوظائف بالمال اور حق مرور وغیرہ خالصۃً حقوق شمار ہوتے ہیں یہ "اعیان" کے قبیل سے نہیں مگر پھر بھی ان کے معاوضہ کو جائز قرار دیا گویا عرف "مال" کو "اعیان" تک محدود نہیں رکھتا بلکہ تعامل الناس اور حاجۃ الناس کی بناء پر مال کے مفہوم میں خلاف قیاس "وسعت" کا قائل ہے پس عرف عام میں جو چیز (حق) مال ٹھہر جائے اور لوگ اس حق کو بطور مال استعمال کرنے لگیں اور ایسا کرنا ان کی ضرورت بھی ہو تو شرعاً وہ حقوق "مال" ہو سکتے ہیں۔ علامہ شامی رحمہ اللہ نے بہت ہی واضح الفاظ میں لکھا ہے کہ "عرف" بھی بعض اشیاء کو "مال" کے زمرے میں شامل کرسکتا ہے۔ (قوله: فان المالية تثبت بتمول الناس وبإباحة الانتفاع بها شرعاً ... الخ

علامہ کاسانی رحمۃ اللہ نے تو عرف کی رعایت کرتے ہوئے یہاں تک فرما دیا کہ یہ منافع "اموال" ہیں یا اموال کے ساتھ ملحق ہیں یعنی"

مال" کے حکم میں ہیں(قولہ : لأن هذه المنافع اموال او التحقت بالأموال ... الخ بدائع الصنائع ۲/ ۲۲۸ والبحر الرائق (۱۵۶/۳)

حاصل یہ کہ ہمارے جتنے بھی مشائخ نے عرف عام کی بناء پر اصول مذہب سے ہٹ کر فتویٰ دیا ہے تو اس فتویٰ کو بے بنیاد قرار نہیں دیا جائے گا بلکہ اصل مذہب کے قواعد پر مبنی فتویٰ کہا جائے گا کیونکہ اگر امام مجتہد خود زندہ ہوتے تو لامحالہ عرف کی تبدیلی کے پیش نظر امام مجتہد کا فتویٰ بھی عرف کے تقاضوں پر مبنی ہوتا۔(قوله: ولهذا ترى مشائخ المذهب خالفوا مانص عليه المجتهد في مواضع كثيرة بنا ها على ما كان في زمنه لعلمهم بأنه لو كان في زمنهم لقال بما قالوا به أخذاً من قواعد مذهبه .... (مجموعه رسائل ابن عابدين ۲/ ۱۲۵).

اسی لیے علامہ شامی رحمہ اللہ نے مال کی شرعی تعریف کے پیش نظر حقوق کی مالیت تسلیم نہ کرنے اور اس کے نتیجہ میں کئی مسائل پیش آنے پر اپنا آخری تبصرہ اور فیصلہ یہی تحریر فرمایا ہے کہ "حقوق مجردہ" کا ناقابل معاوضہ ہونا کوئی حتمی بات نہیں ہے بلکہ مفتی ابوسعود رحمہ اللہ جیسے مشائخ نے "حق قرار" کا معاوضہ لینے کو جائز قرار دیا ہے۔ بایں ہمہ "حقوق مجردہ" پر معاوضہ لینا ایک ظنی مسئلہ ہے اور اس سے ملتے جلتے نظائر بھی موجود ہیں، اس لئے اس معاملہ میں بحث ومباحثہ کی گنجائش موجود ہے۔(قال الشامي: ان عدم جواز الا عتياض عن الحق ليس على اطلاقه ورأيت بخط بعض العلماء عن المفتي أبي سعود انه أفتى بجواز أخذ العوض في حق القرار والتصرف وعدم صحة الرجوع ، فالمسألة ظنية والنظائر متشابهة وللبحث فيه مجال الخ شامية ۴ / ۱۵.۱۶ كتاب البيوع) شرح المجلہ کی عبارت بھی اس صورت حال پر روشنی ڈالتی ہے۔

قال خالد الاتاسي . رحمه الله . اقول وعلى ماذكروه من جواز الاعتياض عن الحقوق المجردة بمال ينبغي ان يجوز الاعتياض من حق التعلي وعن حق الشرب وعن حق المسيل بمال لا ن هذه الحقوق لم تثبت لاصحابها لاجل رفع الضرر بل تثبت لهم ابتداءً بحق شرعي . فاذانزل عنه لغيره بمال معلوم ينبغي ان يجوز ذالك على وجه الفراغ والصلح على وجه البيع كما جاز النزول عن الوظائف ونحوها .

(شرح المجلة ۴/ ۱۴۱)

الحاصل "عرف" کی رو سے مال کے مفہوم میں "اعیان" کے علاوہ بعض "حقوق مجردہ" بھی داخل ہیں (جن کی فہرست پہلے گزری) اس پر بناء کرتے ہوئے موجودہ دور کے عرف کے پیش نظر کچھ مزید حقوق مجردہ کو "اعیان" کے ساتھ ملحق قرار دیتے ہوئے قابل معاوضہ قرار دیا جا سکتا ہے۔ اصول مذہب سے اسکی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر حق ایجاد، حقوق طبع، رجسٹرڈ ٹریڈ مارک، اداروں یا کمپنیوں کے نام اور مختلف اجازت نامے تجارتی لائسنس وغیرہ اصل مذہب کے مطابق حقوق محضہ ہونے کی بناء پر ناقابل معاوضہ ہیں مگر

ہمارا عرف ان حقوق کو نہایت قیمتی سرمایہ سمجھتا ہے اور سرمایہ کی طرح ان حقوق کی حفاظت ہوتی ہے اور بوقت ضرورت متعدیہ داموں ان حقوق کی خرید وفروخت ہوتی ہے۔ اگر ان حقوق کو "مال" کے حکم میں نہ مانیں تو اس سے عرف کو نظر انداز کرنا لازم آئے گا۔ دوسرے یہ کہ لوگ مشقت وحرج میں مبتلا ہو جائیں گے اور مختلف تنازعات بھی کھڑے ہو سکتے ہیں مثلاً اگر کسی تالیف پر مؤلف کا حق تسلیم نہ کیا جائے اور مختلف لوگ اس تالیف کو طبع کرنا شروع کر دیں تو مؤلف کے ساتھ ناانصافی ہوگی۔ اگر وہ منع کرنے کی کوشش کرے تو اس پر تنازع کھڑا ہو سکتا ہے جبکہ شریعت نے معاملات میں پر ایسی شرط کو ممنوع قرار دیا ہے جو مفضی الی النزاع ہو چہ جائیکہ کسی کا حق تسلیم نہ کرتے ہوئے نزاع کھڑا کر دیا جائے۔ اس لیے "مروجہ حقوق" کی مالیت تسلیم کرنے کیلئے ۳ وجوہ سے غور کیا جا سکتا ہے۔

۱۔) ہمارے عرف میں ان حقوق کے ساتھ مال کا معاملہ کیا جاتا ہے لہذا ان حقوق کو مال کے حکم میں ماننا چاہیے۔

۲۔) تعامل الناس شریعت میں قابل رعایت ہے، جب ان حقوق کو عمومی معاملہ کی حیثیت مل چکی ہے تو تیسیر وسہولت کے پہلو کو اختیار کرنا چاہیے۔

۳۔) حاجۃ الناس، ان حقوق کو مال تسلیم کرنا لوگوں کی ضرورت ہے اور بہت سارے غلط راستوں کا انسداد بھی ہے لہٰذا ضرورت وحاجت کے قاعدوں کے تحت اس ظنی مسئلے میں رعایت کی جانی چاہیے:-

البتہ ان حقوق کو مال قرار دینے کیلئے مجموعی طور پر چند شرطوں کی رعایت بھی ضروری ہے۔

ا) ان حقوق کو مال تسلیم کرنے سے کسی فرد یا طبقہ کا استحصال لازم نہ آتا ہو۔

ب) ان حقوق کے بحیثیت مال لین دین میں کسی قسم کی باعث نزاع مجہولیت لازم نہ آئے

ج) کسی قسم کا غرر ودھوکہ لازم نہ آئے۔

د) ان حقوق کی بیع وشراء میں دوسرے شرعی مفاسد لازم نہ آتے ہوں ورنہ حقوق کی بیع وشراء جائز نہ ہوگی۔

خلاصۂ بحث یہ نکلا کہ قدیم وجدید عرف کی تبدیلیوں کے باعث کئی حقوق محضہ بھی مال کی حقیقت میں شامل ہوئے ہیں۔ چونکہ مال کی تعریف اجتہادو ظن پر مبنی ہے اس لیے موافق شریعت عرف سے اس ظنی مسئلہ کی حدود سے تجاوز کی مشروط گنجائش موجود ہے۔ واللہ اعلم۔

اسلام کا تصور مال:

شریعت مطہرہ نے مال ودولت کا جو تصور پیش کیا ہے وہ حد درجہ اعتدال پر مبنی ہے۔ نہ تو اسکو مقصد حیات قرار دے کر اس کے حصول اور اس میں ترقی وبڑھوتری کو سرّ کامرانی ٹھہرایا اور نہ ہی اسے شجرۃ ممنوعہ قرار دے کر کلیتہ صرف نظر کا حکم دیا، بلکہ ایک بیچ کا راستہ متعین فرمایا اور درمیانی سوچ دی انسانی ضرورت کی حد تک مال کمانے کی اجازت بلکہ ترغیب دی اور دیگر فرائض کی بجا آوری کے بعد "طلب حلال" کو

فریضہ کا درجہ دیا گیا۔اس کے برعکس اگر کوئی شرعی ضابطوں سے ہٹ کر ناجائز طریقوں سے مال ودولت اکٹھا کرنے کی کوشش کرے تو شریعت ایسے لوگوں کی خوب حوصلہ شکنی کرتی ہے بلکہ انہیں شرعی واخلاقی مجرم قرار دے کر اُخروی سزا کا مستحق ٹھہراتی ہے۔بہرحال "مال" شریعت کی نظر میں مفید ومنافع بخش بھی ہے اور مضر ونقصان دہ بھی۔قرآن وسنت کے اسلوب کا جائزہ لیا جائے تو انسان اس نتیجہ پر پہنچے گا کہ کسب معاش اسلامی نقطہ نگاہ سے انسان کے فکر وعمل کا محور، کمانے کا فن کمال حاصل کرنا یا معاشی ترقی اس کا منتہائے مقصود نہیں بلکہ ان آشیاء کی حیثیت راہ گزر کے مسافر کے توشہ کی ہے انسانی زندگی کا اصل مقصود تو چونکہ اُخروی زندگی کی فلاح وبہبود ہے،اس لئے مال کا ایسا کوئی بھی تصور جو اُخروی زندگی کی فلاح وبہبود کے لئے حائل بنے،شریعت اُسے تسلیم نہیں کرتی۔بلکہ مسترد کرتی ہے۔

مال کی اسی دورُخی حیثیت کی نشاندہی کرتے ہوئے امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ خبردار! مال اس سانپ کی طرح ہے جس میں زہر بھی ہے اور تریاق بھی۔پس مال کے فوائد اس کا تریاق ہے اور اس کے نقصانات (بواعثِ گمراہی) اسکی زہر ہے۔جسے اس کے فوائد و نقصان کی پہچان حاصل ہوگئی ممکن ہے وہ اس کے شر سے محفوظ رہے اور اس کی خیر سے سرشار اور ابدی طور پر سرخرو ہو۔احیاء علوم الدین للامام الغزالی (۳/ ۱۶۳)

تصور مال کا مفید ومثبت پہلو:

مال ودولت کو اگر شرعی ضابطوں کے مطابق اکٹھا کیا جائے،شرعی حدود کی پامالی کا شائبہ نہ ہو تو ایسی دولت یابی اور مالداری کی شریعت حوصلہ افزائی کرتی ہے، بلکہ اس کی اہمیت وافادیت کا بجا طور پر اعتراف کرتی ہے۔"مال" کا لفظ یوں تو قرآن کریم میں تقریباً بیسیوں (کم وبیش) مرتبہ استعمال ہوا ہے۔جبکہ دوسرے کئی مقامات پر اللہ تعالیٰ نے "مال" کو اپنے "فضل" اور "خیر" سے بھی تعبیر فرمایا ہے۔ ذخیرہ احادیث میں تو لاتعداد مرتبہ "مال" کا ذکر فرمایا، اسے اپنی نعمت، دین، رزق، سے تعبیر فرمایا اور اس کے کسب کو "فریضۃ بعد الفریضۃ" کا نام دیا۔اور مختلف انداز میں کسب حلال کی ترغیب دی،کبھی ارشاد فرمایا کہ جو شخص دست سوال پھیلانے سے بچے،اپنی عیالداری اور پڑوس سے رواداری اور مہربانی کی خاطر مال کمائے،وہ حق تعالیٰ شانہ سے اس حال میں ملاقات کرے گا کہ اس کا چہرہ چودھویں کے چاند کی مانند پرنور ہوگا۔کبھی پاکیزہ وعمدہ مال کو صالح مردی کا خاصہ قرار دیا اور کہیں محترف وہنرمند کو اپنا محبوب ٹھہرایا۔اور کہیں سچ گو تاجروں کو سایہ عرش سے نوازنے اور انبیاء،صدیقین وشہداء کی معیت کے انعام کا وعدہ فرمایا۔(احیاء علوم الدین ۲/ ۶۱.۲ مشکوۃ المصابیح (۱/ ۲۴۳ و ۳۰۵) الترغیب والترھیب ۳/ ۶ . ۵۸۵.)

یہ تو مال کی اہمیت کی ایک جھلک تھی اگر فوائد کا اجمالی جائزہ لیا جائے تو "مال" کے اندر کئی فوائد ہیں۔

ذاتی وشخصی فوائد:

یعنی انسان اپنے مال کو خود خرچ کرے یا دوسروں پر خرچ کرے۔پھر اپنی ذات سے متعلق بعض عادی امور میں شریعت کے مطابق خرچ کرے تو یہ بھی عبادت ہے۔اور اپنی دینی ضروریات میں صرف کرے تو عین عبادت، بلکہ یوں کہیں کہ "مال" کے ساتھ کئی عبادات کی ادائیگی وابستہ ہے، حج، زکوۃ، صدقات وخیرات کے فضائل سے ہم کنار ہونے کیلئے مال کی ضرورت ہے۔راہ خدا، جہاد فی سبیل اللہ میں دولت لٹا کر بڑے اونچے اونچے مقامات کے حصول کا ذریعہ مال ہی تو ہے۔مال کے ذریعہ انسان اللہ تعالیٰ کے خوف وتقویٰ کے مراحل طے کرتا ہے۔(**نعم العون علی تقویٰ الله المال ، كنز العمال (۲/۵.، حدیث نمبر ۱۵ ۳.۱) ومسلم ، کتاب الزکوٰۃ . واحیاء علوم الدین.)**

تصور مال کا منفی ومضر پہلو:

لیکن یہی مال ہے اگر اس کے حصول میں شرعی حدود کا خیال نہ رکھا جائے یا شرعی حدود کی پاسداری تو ہو مگر "مال" کا حق نہ پہچانا جائے اور مالی حقوق (شرعی واخلاقی فرائض) کی ادائیگی کا اہتمام نہ ہو سکے بلکہ حرص ولالچ، بخل، اسراف وتبذیر اور یاد خداوندی سے غفلت کی کدورت اور زہر مال میں شامل ہو جائے تو یہ مال روح انسانی کیلئے زہر، جسم انسانی کیلئے بے چینی و بے سکونی کا سامان اور اُخروی زندگی کیلئے ذریعہ وبال وتباہی وہلاکت ہے۔

بے شمار آیات واحادیث میں "مال" کی تحقیر اور مذمت وارد ہوئی ہے اسے فتنہ سے تعبیر کیا گیا ہے فتنہ کا مصداق یہی مال مذموم ہے جس کے حصول میں شرعی احکام کا لحاظ نہ ہو اور جمع کر لینے کے بعد مال کے حقوق کی ادائیگی سے غفلت برتی جائے، جو مسلمان اپنے مال کو ان عوارض سے بچالے وہ عنداللہ متقی، جہنم سے بری، مال کی وعیدات سے مستثنیٰ اور جنت کا حقدار ہے۔(**وسیجنبها الأتقىٰ الذی یؤتی ماله یتزکیٰ... الآیة. (اللیل ۱۸)**

اسلام کے مالیاتی نظام کی وسعت وجامعیت:

بلاشبہ اسلام کا مالیاتی نظام، سنہری، زرین، ہمہ جہت اور کثیر الفوائد اصول پر استوار ہے۔اسلام کا مالیاتی نظام مختلف شعبوں اور کئی مدات تک وسیع ہے ان مدات اور شعبوں کو مسؤلیت کے اعتبار سے دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے، بعض شعبوں اور مدوں کا تعلق اسلامی ریاست سے ہے جبکہ دوسری بعض کا تعلق ریاست کے باشندوں سے ہے، مثلاً زکوۃ، عشر، جائز ٹیکس اور جزیہ وغیرہ سرکاری خزانے کے بنیادی ذرائع آمدن اور وسائل ہیں، اسلامی حکومت کی ذمہ داری ہے کہ وہ شرعی اصولوں کے مطابق ان وسائل آمدن کی وصولیابی کا اہتمام کردے اور رعایا کی ضروریات میں اور ان مدات کے متعینہ مصارف میں خرچ کرے۔

رہی وہ مدات و وسائل آمدن یا مالیاتی شعبے جن کی ادائیگی وخرچ کا تعلق رعایا سے ہے ان میں بعض مدات تو شرعی واجبات کا درجہ رکھتی ہیں جبکہ دوسری بعض اخلاقی تبرعات کی حیثیت میں ہیں، مثلاً نفقات، کفارات، صدقۃ الفطر، عاریت، وقف، ہبہ وغیرہ کے علاوہ جائز اسلامی تجارت اسلامی مالیاتی نظام کا اہم عنصر ہے۔ غرضیکہ اتنے وسیع شعبوں اور مدات تک پھیلا ہوا، جامع اصولوں پر مبنی اسلام کا مالیاتی نظام اگر وجود پذیر ہو جائے تو اس نظام کے تحت ایسا صالح معاشرہ وجود میں آئے گا جو پر امن بقاء باہمی کے اصولوں پر قائم ہوتا ہے، جہاں پر ہر شخص کی ضروریات زندگی ایک باوفا شہری اور پسندیدہ مہمان کی طرح پوری ہوتی ہیں۔ اس نظام کی بنیاد چونکہ اخوت ومروت، مودت ومواسات اور خیر خواہی وخیر سگالی پر قائم ہوتی ہے۔ اس نظام سے معاشرے کی مالی ومعاشی حالت بہترین وقابل رشک بن سکتی ہے۔

اسلامی مالیاتی نظام کی ایک نظیر حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے ڈھائی سالہ دور خلافت سے پیش کی جاسکتی ہے کہ آپ کے دور میں اسلامی مالیاتی نظام کے استحکام کی بدولت پوری مملکت اسلامیہ میں کوئی مستحق زکوۃ نہیں ملتا تھا۔ (اسلام کا اقتصادی نظام، حضرت سیو باروی، اجتماعی نظام معیشت حصہ اول دوم کے شعبے، ۱۱۸ صفحہ تا ۱۷۴، وسیرت عمرو بن عبدالعزیز رحمہ اللہ مترجم ۱۳۴ صفحہ)۔

اگر آج ہم اسلام کے مالیاتی نظام کو مستحکم کرنے کی ہمت ٹھان لیں تو غیروں کی دست نگری سے نجات پا جائیں گے ان شاء اللہ العزیز

اللّٰھم وفقنا وولاۃ امورنا اتباعاً لدینک وصلی اللہ تعالیٰ علی نبینا وعلیٰ الہ وصحبہ اجمعین